کیا خدا شناسی کا سرچشمہ خوف ہے؟

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی، سابق ڈین آف تھیالوجی ڈپارٹمنٹ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہم نے ثابت کیا کہ انسان اپنی فطرت اور عقل کی تحریک سے خدا کے وجود کا قائل ہوا ہے، لیکن اس کے برخلاف بعض مفکرین نے وجود خدا کے عقیدے کا سرچشمہ علم الاجتماع اور علم النفس کے بعض محرکات کو قرار دیا ہے۔

مادہ پرستوں کا یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے ہم دریافت کریں کہ انسان کس لئے مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے؟ وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کو کیوں پسند نہیں کرتا ہے؟ انسان میں حب نفس کا جذبہ کب سے پیدا ہوا ہے؟ یا کس زمانے سے اس میں جنسی خواہشیں پیدا ہوئیں اور شریک زندگی کی تلاش میں رہنے لگا؟ کب اس کے دل میں اولاد کی محبت نے جگہ پائی اور وہ اسے اپنے جگر کا ٹکڑا سمجھنے لگا؟

ان تمام سوالات کا ایک اور صرف ایک جواب ہے کہ ان امور کا سرچشمہ انسانی فطرت ہے۔ یہ میلانات انسان کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ اسی لئے جب سے انسان ہے وہ ان چیزوں کی طرف مختلف صورتوں سے متوجہ رہا ہے۔

اس کے علاوہ ذات خدا کی طرف متوجہ ہونے کا ایک دوسرا پر زور سبب بھی ہے جس کا اثر کسی طرح فطری سبب سے کم نہیں ہے۔ یہ انسان کی عقل وفکر ہے۔ انسان نے یہ دیکھ کر کہ کوئی چیز بغیر سبب کے وجود میں نہیں آتی ہے تھوڑا سا سوچنے کے بعد یہ طے کیا کہ خود اس کے وجود کے لئے، اس کے علاوہ کائنات عالم کے واضح نظم وضبط کے واسطے جو ہر صاحب فہم کے سامنے ہے کوئی نہ کوئی سبب ہونا چاہئے۔ اس نے اسی کا نام خدا رکھ لیا ہے۔

دوسرے زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ وہی جذبہ کہ جس کی تحریک سے انسان نے زندگی اور نیچر کے مختلف مظاہرات کے بارے میں غور کیا، وہی جذبہ کہ جس نے اسے آمادہ کیا کہ وہ مادے کے پیچیدہ رازوں، کائنات کے مستقل اور ہمہ گیر اصول کو معلوم کرنے کی کوشش کرے، وہی جذبہ کہ جس نے علم و دانش کے شیدائیوں کو ابھارا کہ وہ دنیا کی حقیقتوں کا پتہ چلانے کی خاطر زندگی اور اس کی لذتوں سے آنکھیں بند کرلیں، اپنی عمریں علمی مرکزوں اور صنعتی تجربہ گاہوں میں گزار دیں۔ اسی پر اسرار جذبے نے انسان سے کہا کہ وجود کے سرچشمے کا پتہ چلانے کی کوشش کرے۔

جہالت اور نادانی سے مقابلہ، حقائق عالم کے جاننے کے لئے کد و کاوش، جو چیزیں انسان کے علم و دانش کی دسترس سے باہر ہیں انہیں معلوم کرنے کی آرزو انسان کے فطری اور گہرے احساسات میں سے ہے۔ انسان بہر صورت فطرت کے اس مطالبے کو پورا کرنے کے لئے تقریباً اپنے کو مجبور پاتا ہے۔

قدیم تاریخ کا مطالعہ کیجیے۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تغیرات کو دیکھئے۔ انسانی علم و دانش کے ارتقا کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کیجیے۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کی فطرت میں جذبۂ تلاش رچا بسا ہوا ہے۔ ہم اس کے منکر نہیں ہیں کہ اکثر و بیشتر علمی کاوشوں کے پس منظر میں ان مادی اور

دینوی فوائد کا حاصل کرنا مقصود تھا جو ان کی وجہ سے افراد اور اقوام کو پہنچنے والے تھے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان تمام تحقیقات کا سرچشمہ انسان کا فطری ذوقِ جستجو تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ ہستی کی واقعیتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے ہاتھوں سے چھوئے۔ تاریخ علم وصنعت بتا رہی ہے کہ انسان کا یہ فطری جذبۂ تحقیق جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے انسان کو ایسی خطرناک آزمائشوں پر آمادہ کردیا جن میں اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ چاروں طرف سے خطروں میں گھر گیا، لیکن اس کے قدم کبھی رکے نہیں۔ وہ برابر آگے بڑھتا رہا۔ اس نے اس راہ میں غیر معمولی قربانیاں پیش کیں۔

اگر چہ بچے عقل وفہم کے لحاظ سے پختہ اور کامل نہیں ہوتے ہیں، لیکن انسان کے اس فطری جذبے کے اثرات کو بڑے واضح طور سے ان کی زندگی میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ بچہ گویا سوال، جستجو اور پوچھ گچھ کا ایک خوبصورت مجسمہ ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے استاد اور اپنے ماں باپ سے مختلف چیزوں کے متعلق پوچھا کرتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ بچے کے پے در پے اور غیر منظم سوالات بتاتے ہیں کہ اس کی فطرت علم کی پیاسی ہے۔ وہ جہالت اور ناواقفیت کو دور کرکے علم ودانش کے پانی سے سیراب ہونا چاہتا ہے۔

تہذیب کے بالکل ابتدائی زمانے میں بھی انسان ہرگز ہمارے زمانے کے تین چار برس کے بچے سے عقل وفہم کے لحاظ سے کم نہ تھا۔ کیا وہ ان چیزوں کے بارے میں جو اس کی آنکھوں کے سامنے تھیں اپنے دل میں پوچھتا نہ ہوگا کہ ان کے اسباب کیا ہیں؟ وہ دیکھتا تھا کہ کسی درخت سے پتے کا گرنا، کسی ٹہنی کا دفعتاً ٹوٹ جانا، ہوا کے تیز وتند جھونکے کے چلنے کا نتیجہ ہے۔ اسے نظر آتا تھا کہ جو مکان ابھی ابھی بالکل صحیح وسالم اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھا وہ موسلا دھار بارش کی وجہ سے مسمار ہوگیا۔ ایسے ہی سیکڑوں واقعات دیکھنے کے بعد وہ ایک علمی اور فلسفی نظریے کا معتقد ہوگیا کہ کوئی حادثہ کوئی واقعہ اس عالم کائنات میں بے سبب اور بے علت نہیں ہے۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے یقیناً یہ ناگزیر ہے کہ اسے اس دنیا کے خالق کی فکر پیدا ہو جو وجود کا سرچشمہ ہے، جس کی قدرت کے اشارے سے یہ ساری کائنات پیدا ہوئی ہے۔

علوم وفنون کی تاریخ میں اب تک سیکڑوں مفروضات یکے بعد دیگرے دنیا کے سامنے آتے رہے ہیں، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ غلط ثابت ہوئے اور ان کی جگہ دوسرے مفروضات نے لے لی۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ان صحیح یا غلط علمی فارمولوں کی طرف انسان کی توجہ کا اصلی سبب اس کا حقیقت طلبی کا جذبہ ہے۔ کوئی عالم اور سائنسداں ان علمی نظریات کی پیدائش کو عقلی اور فکری سبب کے علاوہ کسی دوسری چیز کا نتیجہ نہیں قرار دیتا ہے۔

اگر ہم سب متفقہ طور سے علمی نظریات کی پیدائش کو اجتماعی اور نفسیاتی مخصوص اسباب کا نتیجہ نہیں سمجھتے تو کیوں اور کس لئے مبدأ وجود اور خالق عالم اعتقاد کے پیدا ہونے کی بابت ایسا سمجھتے ہیں؟

نفسیاتی یا اجتماعی علل واسباب کی احتیاج ان چیزوں کو ہے جن کی کوئی فطری علت اور فکری سبب نہ ہو۔ ایسی صورت میں علم الاجتماع یا علم النفس کو حق حاصل ہے کہ وہ اس خلا کو بھرنے کے لئے اظہار خیال کرے، مثلاً بعض بیہودہ خیالات کی پیدائش جن کا کوئی فطری یا عقلی سبب موجود نہیں ہے انہیں ان علوم وفنون کا موضوع فکر بننا چاہئے۔ کچھ لوگ بعض جانوروں کو مبارک اور بعض کو منحوس سمجھتے ہیں۔ بے شک یہ ایسا عقیدہ ہے جس کا سرچشمہ علم النفس اور علم الاجتماع کو معلوم کرنا چاہئے۔ لیکن ایسے مسائل کہ جو انسان کے باطن کا مطالبہ، اس کی خلقت کا تقاضہ، اس کی فطرت کی صدا، اس کے علاوہ عقلی اور فکری محرکات کا نتیجہ ہیں، وہ علم الاجتماع اور علم النفس کے دائرہ حکومت سے باہر ہیں۔ ان کے متعلق ان علوم کو اظہار خیال کا ہرگز حق نہیں ہے۔

چونکہ مادہ پرست طبقہ خدا اور دوسرے مذہبی امور کے بارے میں غور نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اپنے کو ان کی گرفت سے بچانا چاہتا ہے، اس لئے ان کے مقتضائے فطرت ہونے کا انکار کرتے ہوئے ان کے دوسرے اسباب وعلل تراشتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں علم الاجتماع اور علم النفس سے مدد لیتا ہے۔ اتفاق سے یہ طبقہ

مذہب کی پیدائش کے وجوہ بیان کرنے کے بارے میں اتفاق نہیں رکھتا بلکہ مختلف لوگ اس کے گونا گوں ایک دوسرے سے مختلف اسباب وعلل بیان کرتے ہیں۔

مثلاً نفسیات کے مشہور ماہر 'فرائیڈ' نے اپنے بعض نگارشات میں مذہب کو نیچر کی بے رحم طاقتوں سے خوف و ہراس کا نتیجہ قرار دیا ہے، ان کا دعویٰ ہے:۔

''خلق کائنات کے متعلق ہمارے مذہبی عقیدے کا تعلق ہمارے بچپنے کی زندگی سے ہے۔ بچہ اپنے کو ایک عظیم الشان جہان کے سامنے عاجز اور بے سہارا محسوس کرتا ہے۔ تمام ان مبہم خطروں کے مقابلے کے لئے جو دنیا میں بچہ کو دھمکاتے ہیں ماں اپنے بچہ کی پہلی حامی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہر طرح کے اضطراب کے عالم میں اس کی مددگار رہے۔ بہت جلد باپ ماں کی جگہ آجاتا ہے۔ تمام دور طفولیت میں یہ فریضہ باپ کے ذمہ رہتا ہے۔ بچپنے کا ڈر بالغ ہونے کے بعد بھی برقرار رہتا ہے۔ بالغ انسان ان تمام خطرات سے آشنا ہوتا ہے جن سے اسے ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ بچہ کے مانند دنیا کے مقابل ضعیف ہے۔ وہ جس طرح بچپن میں باپ کے پہلو میں پناہ لیتا، اسی طرح زندگی کی دوسری منزلوں میں کوئی محافظ اور پشت پناہ چاہتا ہے۔ اس بنا پر وہی باپ جو بچپن میں اس کے نزدیک بے انتہا طاقت کا مالک تھا بعد میں الوہیت کا تصور بن جاتا ہے جو مافوق البشر ہے''۔

(فرویئد وفرویئدیسم ،ص، ۱۴۸)

اس دور کا ایک مؤرخ مذہبی عقائد کے پیدا ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''خوف دیوتاؤں کو جنم دیتا ہے۔ خوف کی فہرست میں موت سے ڈر کا درجہ اہم ہے۔ انسان زندگی کے ابتدائی دور میں ہزاروں خطرات کے درمیان تھا اور بہت کم اتفاق ہوتا تھا کہ کوئی شخص اپنی طبیعی موت سے مرے۔ اکثر لوگ بڑھاپے تک پہنچنے سے پہلے دوسروں کے جارحانہ حملوں کے نتیجہ میں یا مہلک بیماریوں کی وجہ سے دنیا سے چلے جاتے تھے۔ اسی بنا پر ابتدائی انسان یہ باور نہیں کرسکتا تھا کہ موت ایک طبیعی حادثہ ہے۔ اسی دلیل سے وہ ہمیشہ اس کے لئے مافوق طبیعت علت تصور کرتا تھا۔''

موت سے خوف ایسے حوادث پر حیرت جن کی علت کا انسان پتہ نہیں چلاسکتا، دیوتاؤں کی امداد آسرا، ان نعمتوں پر شکر گذاری جو انسان کو حاصل ہیں، یہ تمام امور دینی اعتقادات کے اسباب ہیں۔''

(تاریخ ویل دورانت، ج، ۱، ص، ۸۹، ۹۰)

یہ سب ایک طرف اور بیسویں صدی کے عظیم المرتبت فلسفی اور راہنما برٹرنڈ رسل دوسری طرف جن کے نام سے علمیت اور عظمت جھلکتی ہے۔ انھوں نے گویا فیصلہ کن بات کہہ دی ہے:۔

''میں سوچتا ہوں کہ خدا اور دوسرے مذہبی امور کے عقیدے کی علت خوف ہے۔ چونکہ انسان ایک حد تک اپنے کو ناتواں دیکھتا ہے۔ تین چیزیں ہیں جو اس کے لئے موجبات خوف فراہم کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک نیچر ہے جو صاعقہ کے ذریعہ اس کے سر پر ضرب لگاتا ہے، یا زلزلے کے ذریعہ اسے نگل لیتا ہے۔ دوسری چیز خود انسان ہے جو جنگ کے وسیلے سے اپنے بنی نوع افراد کو تلف کرسکتا ہے۔ تیسری چیز کا تعلق بہت زیادہ مذہب سے ہے۔ انسان کی شدید جنسی خواہش بھی اسے نقصان پہنچا سکتی ہے۔ انسان سکون کے لمحات میں اپنی بعض حرکتوں پر پشیمان ہوتا ہے۔ مذہب اس کا موجب بنتا ہے کہ انسان کے خوف و ہراس اور وحشت و دہشت میں کچھ توازن و اعتدال پیدا ہو۔''

(توضیح وبررسی مصاحبۂ برتراند راسل، روایت ص، ۱۲۱)

ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان حوادث عالم کے مقابلہ میں نہتا، بیچارا اور کمزور تھا اس لئے وہ ان سے غیر معمولی طور سے خائف تھا۔ اسی خوف نے وجود خدا کا عقیدہ پیدا کیا ہے۔

انسان مہلک بیماریوں کا علاج نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ نیچر کے بے رحم اور سنگ دل ہاتھ افراد انسانی کو گروہ در گروہ ہلاک کررہے ہیں۔ وہ ان خوف ناک حوادث کے مقابلہ میں نفسیاتی اضطراب کی وجہ سے مجبور تھا کہ کسی مبہم اور پر اسرار ہستی کو اپنی پناہ گاہ قرار دے جو اس کے دہلے

ہوئے دل کوسکون اور اطمینان عطا کرے۔

اس کے علاوہ زمان بلوغ اور اس کے بعد ایک منزل تک انسان کی زندگی سہارا طلب تھی۔ اس نے ہمیشہ اس زمانے میں اپنے کو ایک طاقتور شخص کی پناہ میں پایا جس نے اسے بہت سے خطرات سے بچایا۔ اس دور کی زندگی نے اس کے دماغ میں یہ خیال پیدا کیا کہ وہ نیچر کی مہلک طاقتوں کے مقابلہ کے لئے ایک قابل اطمینان پناہ گاہ پیدا کرے۔ ایک وقت گزرنے کے بعد یہی پناہ گاہ خدا کے تصور اور عقیدے کی شکل میں نمودار ہوگئی۔

یہ نظریہ کس حد تک صحیح ہے؟

مذاہب وادیان کی تاریخ مدون ہوچکی ہے۔ اسے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خیال مذہبی طبقہ کے خلاف ایک بہت بڑی تہمت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نظریہ کا اظہار کرنے والوں نے بڑی سنجیدگی اور متانت سے علمی لب ولہجہ میں اسے بیان کیا ہے۔ خدا پرستوں کی طرف یہ تیر علم الاجتماع اور علم النفس کے ترکش سے سر کئے گئے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ان کے یہ خیالات ایک بے دلیل دعوے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی چھوٹی سی بھی دلیل وہ اس نظریہ کے صحیح ہونے پر قائم نہیں کر سکے ہیں۔ پہلے عرض کیا گیا کہ علم النفس اور علم الاجتماع یا ان کے مانند دوسرے علوم کی مدد سے ایسے مسائل کے تعلق اظہار خیال کرنا درست نہیں ہے جن کا کوئی فطری اور عقلی اندرونی سبب موجود ہو۔ بامحل ہے کہ مذکورہ علوم کے ماہرین کوئی نظریہ قائم کریں۔ ان کا نفسیاتی سبب نیچر کی بے رحم طاقتوں سے ڈر یا زمان طفولیت کے سہارا طلب ہونے کو قرار دیں، لیکن ایسے مسائل کی پیدائش کی توجیہ علم الاجتماع یا علم النفس سے کرنا بڑی ناانصافی ہے جن کا فطری یا عقلی سبب موجود ہو۔

فرائیڈ اور ان کے ہم خیالوں نے اپنے اس مفروضے میں یہی نہیں کہ خدا پرستی کے فطری ہونے سے آنکھیں بند کر لی ہیں بلکہ عقلی اور استدلالی خداشناسی سے بھی چشم پوشی فرمائی ہے جس کی بنیاد قانون علت ومعلول کے اوپر ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ کچھ مسائل انسان کے اندرونی حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے پیدا ہونے کے سلسلے میں معقول رویہ یہ ہے کہ انسانی اسباب سے ابتدا کی جائے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کا محرک خود انسان کی فطرت اور عقل تو نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ منزل ہے کہ ان کے واسطے اکتسابی اور خارجی غیر انسانی اسباب قرار دیئے جائیں۔

مثلاً بعض اعداد کو عوام الناس منحوس سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس عقیدے کی علمی بنیاد نظر نہیں آتی۔ انسان کے باطنی میلانات میں اس کا محرک نہیں ملتا۔ عقل ومنطق کی رو سے ان کے اور دوسرے اعداد کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں ہم بیرونی اسباب کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کون اس خیال اور عقیدے کی پیدائش میں دخیل ہوسکتا ہے۔

اب ہم ان اسباب کا جائزہ لینا شروع کرتے ہیں جو انسان کی فطرت اور قوت عقل وفہم سے باہر ہیں، لیکن مذہبی عقائد ایسے مسائل ہیں جن کے لئے فطری، طبیعی، عقلی اور فکری اسباب موجود ہیں۔ وہ ان کی پیدائش کے لئے کافی ہیں۔

خدا پرستی کا مسئلہ انسان کے شادی بیاہ کے مسئلہ کے مانند ہے۔ انسان کی طبیعی خواہش، ذاتی میلان ازدواج کی طرف عورت اور مرد کو متوجہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد اس گفتگو کا محل نہیں ہے کہ کیوں اور کس لئے انسان کو شادی بیاہ کی فکر ہوئی؟

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی عقل وفطرت خدا پرستی کے پیدا ہونے کا عظیم انسانی محرک ہے۔ بدیہی بات ہے کہ اس طرح کے داخلی اور فطری سبب کے ہوتے ہوئے دوسرے اسباب کی فکر غیر عاقلانہ اور غیر منصفانہ بات ہے۔ اس طرح کی کجروی ویسی ہی ہے کہ کوئی شادی بیاہ کے مسئلہ میں فطری اور طبیعی خواہش کے باوجود یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ انسان جب حسین وجمیل مناظر کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کا دل چاہتا ہے کہ خود اس کے گھر میں اس قسم کے منظر ہوں تاکہ ہر وقت انہیں دیکھ کر وہ اس طرح لطف اندوز ہو جس طرح پہاڑوں اور بیابانوں میں انہیں دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ عورت بھی حسین وجمیل اور خوش منظر ہے۔

انسان نے چاہا کہ وہ بھی مجھ سے نزدیک رہے۔ اس جذبے نے اسے شادی بیاہ کے لئے آمادہ کیا ہے۔

مسئلہ ازدواج میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے کھیتی باڑی کے سامان کی شکل کو جب دیکھا تو اسے شادی کرنے کی فکر ہوئی۔ کیا ازدواج کا جب داخلی، انسانی اور فطری محرک موجود ہے تو اس قسم کے دور از کار توجیہات نامعقول اور مضحکہ خیز نہیں ہیں؟

پھر یہ بھی دیکھئے کہ خدا پرستوں کے طبقہ میں کس کس طرح کے لوگ موجود ہیں۔ اگر یہ طبقہ صرف نادان بے سواد اور جاہل لوگوں پر مشتمل ہوتا تو کسی حد تک معقول تھا کہ یہ کہا جائے کہ مذہب اور وجود خدا کا عقیدہ نیچر کی بے رحم طاقتوں سے ڈر کا پیدا کیا ہوا ہے، لیکن خوش قسمتی سے اس گروہ کے پیشتر علماء اور عقلا ہیں۔ وہ کہ جو صرف یہی نہیں کہ طبیعی طاقتوں کو جانتے ہیں، بلکہ انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان پر کیوں کر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ان کو کس طرح نقصان کے بجائے فائدہ رسانی کے کاموں میں لگایا جاسکتا ہے۔

آیا واقعی کہا جاسکتا ہے کہ سقراط، افلاطون، ارسطو، ابن سینا، رازی، طوسی، ابن ہثیم، ہزاروں مشرقی اور مغربی خدا پرست اہل علم کا ایمان جو سب کے سب علوم وفنون کے بانی اور علمی اسرار ورموز کا انکشاف کرنے والے تھے عالم مادہ کے غیظ وغضب سے ہراس کا نتیجہ تھا؟

خدا پرستی کی تاریخ بتاتی ہے کہ خدا کو ماننے والے طبقے نے ہمیشہ اپنے عقیدے کی وجہ طاقتور اصول اور معقول دلائل کی روشنی میں بیان کی ہے۔

خدا پرست علماء کی طرف سے ہزاروں کتابیں خداوند عالم کے وجود اور دوسرے مذہبی عقائد کو ثابت کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں، لیکن عام طور سے وہی علمی اور استدلالی طریقۂ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ کہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ نیچر کی قوتیں چونکہ سنگ دل اور بے رحم ہیں لہٰذا ان سے چھٹکارے کے لئے ایک عظیم الشان پناہ گاہ کی انسان کو ضرورت محسوس ہوئی اسی پناہ گاہ کا نام خدا ہے۔

افلاطون نے حدوث عالم کو خدا کے وجود کی دلیل قرار دیا ہے۔ ارسطو نے حرکت عمومی کے وجود کو وجود محرک کی نشانی جانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر طرح کی حرکت محرک کی محتاج ہے۔ عالم مادہ میں ہر چیز متحرک نظر آتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی ذات سے علیحدہ کوئی محرک ہو۔

یورپ کی علمی تحریک کے بعد علوم طبیعیہ کے ماہرین میں سے کچھ لوگوں نے مخصوص طرح کی دلیلیں قائم کر کے خدا کے وجود کو ثابت کرنا شروع کیا، مثلاً نیوٹن کہتا ہے کہ دنیا کا کوئی ایک مادہ ہرگز اس پر قادر نہیں ہے کہ رنگ برنگ کے موجودات پیدا کرے۔ یہ اختلاف وتنوع جو خلقت میں ہمارے سامنے ہے بتا رہا ہے کہ اس مادی ساز وسامان کے پیچھے کسی قدرت کا ہاتھ ہے جس نے اس مادے میں تصرف کیا ہے۔

مصنوعی دماغ کا موجد جب اس کی مشینری تیار کر چکا تو کہنے لگا کہ ایک مصنوعی دماغ جب بغیر انسانی عقل وتدبیر کے وجود میں آنے کے قابل نہیں ہے تو سچ مچ کا اصلی دماغ جو اس مصنوعی دماغ سے لاکھوں گنا زیادہ پیچیدہ اور پر اسرار ہے قطعاً کسی بنانے والے کا محتاج ہے۔

آیا ان واضح دلائل کے بعد جو علوم وفنون کے بانیوں نے پیش کئے ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نوع انسانی کے درمیان خدا کا اعتقاد نیچر کی بے رحم طاقتوں سے خوف وہراس کا نتیجہ ہے؟

آج بھی خدا پرست اہل علم جو خدا کے وجود پر ایمان راسخ رکھتے ہیں کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مضبوط ومستحکم عقلی دلیلوں کی روشنی میں خدا کا معتقد ہے اسے نیچر کی ظالم طاقتوں سے خوف وہراس نے خدا کے وجود کے قائل نہیں بنایا ہے۔

قرآن کا طریقۂ استدلال

قرآن مجید نے افراد انسانی کو خدا کے ماننے کا پیغام مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں انسان کی فطرت اور عقل پر بھروسہ کیا ہے اس کی دلیلوں نے ان حکماء اور فلاسفہ کی عقلوں کو روشنی دی ہے جو نزول قرآن کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

اس نے مبدأ خلقت کی طرف انسان کو طرح طرح سے متوجہ کیا ہے۔ کبھی یوں فرمایا:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ۔

(سورہ عنکبوت ۶۵)

''جب لوگ کشتی میں سوار ہوتے اور وہ منجدھار میں پھنستی ہے تو وہ بڑے اخلاص کے ساتھ اپنی فطرت کی تحریک سے خدا کو پکارنے لگتے ہیں، لیکن جب خدا انہیں نجات دے دیتا اور بسلامتی ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو وہ بدستور ملحد بن جاتے ہیں''۔

دوسرے رخ سے فرماتا ہے:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ (سورہ طور۔ ۳۵)

''آیا لوگ بغیر کسی علت کے خود بخود وجود میں آ گئے یا وہ خود اپنے پیدا کرنے والے ہیں''

چونکہ یہ دونوں صورتیں غلط ہیں لہٰذا بلاشبہ کسی طاقت نے انہیں خلق کیا ہے۔ کبھی اس نے کرۂ زمین اور دوسرے آسمانی کروں کے عجیب و غریب نظم و ضبط سے خدا کے وجود پر استدلال کیا:۔

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ (سورہ ابراہیم)

''آیا اس خدا کے وجود میں شک ہے جس نے زمین اور آسمان پیدا کیا ہے''

کبھی اس بات سے وجود خدا کو ثابت کیا ہے کہ ایک قسم کے مادے سے، اسی پانی اور اسی مٹی کے ذریعہ مختلف طرح کے پھل وجود میں آتے ہیں:۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (سورہ رعد۔ ۴)

''کرۂ زمین میں ایک دوسرے سے نزدیک مختلف قسم کے ٹکڑے ہیں۔ انگور کے باغ ہیں۔ کھیتیاں ہیں۔ کھجور کے درخت ہیں، تخمی اور قلمی دونوں قسم کے۔ سب کو ایک طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے، لیکن ہم کو دوسرے پر برتری دی ہے۔ اس تنوع اور اختلاف میں اس کے باوجود کہ سب ایک پانی سے سینچے جاتے ہیں ہمارے وجود کی نشانیاں صاحبان عقل کے لیے ہیں''۔

قرآن مجید میں اس کا کیا ذکر، ان تحریف شدہ آسمانی کتابوں میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ نیچر کی قوتوں سے بچنے کے لئے خدا کی ذات کو پناہ گاہ قرار دینا چاہئے۔ مادہ پرست قرآن کو آسمانی کتاب نہیں مانتا نہ سہی، لیکن اسے تسلیم کرتا ہے کہ وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے ایک عظیم ترین معرفت خدا کی کتاب ہے۔ کیوں اس کتاب میں اس نظریے کا تذکرہ نہیں ہے؟

نتیجہ یہ نکلا کہ تمام گذشتہ ادوار انسانیت میں خدا کی طرف راہنمائی سب سے پہلے انسان کی فطرت نے کی ہے۔ اس کے علاوہ کائنات کا وہ ہمہ گیر نظم وضبط ہے جس نے لوگوں کو وجود خدا کا قائل بنایا ہے۔ انسان یہ جانتا تھا کہ قانون علت و معلول کے دائرے میں یہ سارا عالم ہے۔ یہ وہ انتہائی قدیم قانون ہے جو انسان کے تمام ادوار زندگی میں اس کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان کی پوری عمر بہشت بریں میں گذرے جہاں اس کی آسائش کے تمام وسائل موجود ہوں، جہاں کوئی چیز نقصان رساں، خطرناک اور تکلیف دہ نہیں ہے تو بھی وہ وہاں کے خوشنما مناظر دیکھ کر وہاں کی چیزوں میں نظم وضبط کا مشاہدہ کر کے یہی طے کرے گا کہ اسے کسی صاحب عقل و شعور طاقت نے پیدا کیا ہے۔ اس نے یہ مناظر خلق کئے ہیں۔ جب تک وہ اس نتیجہ پر نہیں پہنچ لے گا، ہرگز چین سے نہیں بیٹھے گا اور غور وخوض سے باز نہیں آئے گا۔

کیا یہ انصاف کا خون نہیں ہے کہ مذہبی تصورات کی پیدائش کے لئے داخلی اور انسانی سبب، فطرت اور عقل کے ہوتے ہوئے یہ کہا، کہ ان کا سرچشمہ حوادث روزگار سے خوف اور انسان کا بچپنے سے طفیلی اور سہارا طلب ہونا ہے؟ **(جاری)**